افسانوی ادب کے تراجم کے مسائل اور مشکلات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ

A research and critical review of the problems and difficulties of literary translations

شازیہ انجم

ایم فل سکالر دی منہاج یونی ورسٹی لاہور

Shazia Anjum

M.Phil Scholar The Minhaj University Lahore

Abstract

Translation is an important skill to introduce any literature in international level. Translator must be skillful in all aspects of translation. For example he must be well aware about the language and culture of the target literature. He must gain information about concern writer and background of his creation. According to experts translation is a difficult thing to do for a translator. Because it is important to know about culture and customs of target language as well grammar.

Key words: Translations, Translators, Literary translation. Culture , Grammar

کلیدی الفاظ: ترجمہ، ادبی تراجم، فن ترجمہ نگاری، زبانیں، ثقافت

فن ترجمہ نگاری ادب کے دیگر فنون سے مختلف ہے۔ اس فن سے منسلک ادبا کو زیادہ علمی مہارت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فن کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ خاص طور پر اس صورت میں جب ہم شاعری یا نثری ادب پارے کا ترجمہ کر رہے ہوں۔

فن ترجمہ نگاری کے لیے ایک ایسے ادب پارے کا انتخاب کیا جاتا ہے جو ادب پارہ پوری دنیا کے لوگوں کے لیے اہمیت کا حامل ہو۔ اس فن پارے میں ایسی سکت ہو کہ وہ دنیا کے مختلف ممالک میں یا مختلف خطوں میں مقیم لوگوں کو متاثر کر سکے۔ اس کے اندر ایسی صلاحیت ہو کہ جو دیگر ثقافتوں، تہذیبوں، مذاہب اور رسوم و رواج کے حامل لوگوں کو بھی متاثر کر سکے۔

ترجمہ نگاری کے فن کے حوالے سے مختلف ماہرین اور محققین نے اپنی اپنی آرا پیش کی ہیں۔ ان کی روشنی میں ترجمے کے عمومی مسائل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مرزا حامد بیگ نے ترجمے کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"کسی تحریر، تصنیف، تالیف کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل ترجمہ کہلاتا ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ترجمہ کسی متن کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے اس کی تعبیر کرنا ہے۔ یعنی ترجمے کا عمل ایک علمی یا ادبی پیکر کو دوسرے پیکر میں ڈھالنے کا عمل ہے۔[1]

اس تعریف کی روشنی میں دو باتیں بہت واضح انداز میں سامنے آجاتی ہیں کہ ترجمہ کرتے وقت صرف ایک متن کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی تعبیر کرنا بھی مقصود ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بہت اہم ہے کہ مترجم صرف مترجم ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے قاری کا استاد بھی ہوتا ہے۔ وہ اپنے مترجم کو متعلقہ ادب کے مفاہیم سمجھانے کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے۔ اس لیے اگر مترجم خطا کرے گا تو اس کے اثرات اس کے قاری پر بھی ہوں گے۔

عمومی طور پر ترجمہ نگاری کو ایک مشکل فن تصور کیا جاتا ہے۔ اگر ہم محققین اور ماہرین کی رائے لیں تو یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ تقریباً سبھی ماہرین نے اس فن کو ایک مشکل فن قرار دیا ہے۔ خاص طور پر جب ادبی ترجمہ نگاری کی بات کی جائے تو اس میں بہت سی باریکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ بہت سے فنون اس فن سے منسلک نظر آتے ہیں۔ ان تمام باتوں پر مکمل مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس حوالے سے رفیق خاوری کہتے ہیں

"ترجمہ نہایت صبر آزما بھی ہے اور مرد آزما بھی۔ اس کا سب سے کٹھن تقاضا یہ ہے کہ ہر لفظ، ترکیب، استعارہ، تمثال، فقرہ اور محاورہ کو جملہ اشارات و کنایات، اور مضمرات کے ساتھ جو بین السطور میں ہوں بعینہٖ کیا جائے جس میں منجملہ دیگر امور کے اسلوب، آہنگ اور لب و لہجہ کو بھی دخل ہے۔ اس لیے سو فیصد برجستہ الفاظ درکار ہوتے ہیں"[2]

دنیا میں پائی جانے والی ہزاروں زبانوں کے لب و لہجے اور محاورات اور ضرب الامثال مختلف ہیں۔ اس لیے مترجم کو ہر وقت ذہنی طور پر اس بات کے لیے آمادہ رہنا چاہیے کہ ترجمہ کرتے وقت اس کو کسی بھی وقت ایک نئے محاورے اور نئے لفظ کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک زبان سے بہت سی دیگر مقامی زبانیں منسلک ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم اردو کا تذکرہ کریں تو اردو میں بہت سے پنجابی کے الفاظ مل جاتے ہیں۔ اسی طرح عربی اور فارسی کے الفاظ بھی اردو کا حصہ ہیں۔ اسی طرح انگریزی زبان میں بھی یورپ کے کئی زبانوں

کے اثرات بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ اب مترجم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لفظ کی حقیقت کی کھوج لگائے اور اس کے مطابق ترجمہ کرنے کی کوشش کرے تاکہ اب کا درست اسلوب قارئین تک پہنچ سکے۔

ترجمے کا عمومی مفہوم تو یہی ہے کہ ایک زبان کے الفاظ کو دوسری زبان کے الفاظ میں ڈھال دیا جائے۔ لیکن عموی مفہوم کے مطابق تو یہی ترجمہ ہے لیکن اس مسئلے کا کیا کیا جائے کہ لفظی ترجمہ قاری کے لیے اجنبی تحریر کی صورت میں سامنے آجاتا ہے۔

ترجمے کا معیار تو اس بات سے منسلک ہے کہ پڑھنے والا اپنائیت محسوس کرے۔ وہ جو کہانی پڑھ رہا ہے اس کے بارے میں اسے یہ محسوس ہو کہ میں جو کچھ پڑھ رہا ہوں یہ میری کہانی ہے۔ اگر اسے میری کہانی کا احساس نہیں ہو گا تو اس کی دلچسپی بہت جلد ختم ہو جائے گی۔

اس قسم کی صورت حال کے حوالے سے کرنل محمد خان کہتے ہیں

> "صحیح ترجمہ تو غالباً اسی کو کہا جاسکتا ہے جو لفظ بہ لفظ کہا گیا ہو جسے انگریزی میں "Faith Full(باوفا) ترجمہ کہا جاتا ہے، مگر ایسا ترجمہ ادبی محاسن سے عاری ہوتا ہے یعنی خوبصورت نہیں ہوتا۔ اسی رعایت سے ایک مغربی دانشور کا قول ہے کہ (خواتین سے ہزار معذرت کے ساتھ) ترجمہ عورت کی مانند ہے، اگر بہت خوبصورت ہو تو عموماً Faith Full(باوفا) نہیں ہوتی اور وفادار ہو تو ایسی خوبصورت نہیں ہوتی"[۳]

کرنل محمد خان کا اسلوب تحریر مزاحیہ ہے۔ وہ مزاح کرتے اور لکھتے ہیں کہ ان کی یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے کہ اگر ہم تحریر میں ادبی رنگ بھرنے کی کوشش کریں گے تو اس کی درستی پر سوال اٹھیں گے۔ اگر ہم اسے مکمل طور پر درست کرنے کی کوشش کریں گے تو اس کا حسن متاثر ہو گا۔ یہاں مترجم ایسے دوراہے پر موجود ہوتا ہے جہاں اسے ایک چیز پر سمجھوتہ کر کے دوسری چیز اختیار کرنا پڑتی ہے۔ یعنی درست لفظی معانی اور ترجمہ یا پھر ادب کی چاشنی۔

اردو میں ترجمے کی روایت کا ذکر کریں تو یہاں بہت سے ایسے مترجمین نظر آجاتے ہیں جن میں ادبی چاشنی تو موجود ہوتی ہے لیکن ان کا ترجمہ مکمل طور بامعنی نہیں کہا جاسکتا۔ اس میں اصل عبارت کی روح موجود نہیں ہوتی۔ اگر اصل بات کی جائے تو اس میں پڑھنے والے کے لیے زیادہ کشش اور چاشنی موجود نہیں ہوتی۔

ترجمے کے عمومی مزاج سے آگے بڑھ کر جب ہم خاص طور پر ادبی تراجم یا افسانوی ادب کے تراجم کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہاں مترجم مزید محتاط نظر آتا ہے۔

ادب ایک بہت ہی وسیع دنیا ہے۔ اس نیا میں قیام کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے پاس عملی ہتھیار بھی ہوں اور حساسیت بھی ہو تا کہ ہم ہر قسم کے معاملات اور مسائل کا پہلی نظر میں ہی ادراک کر لیں۔ ادب چوں کہ پوری معاشرت کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس کا تعلق اخلاقیات سے بھی ہے اور معاشرت سے بھی ہے۔ معاشرے اور اخلاق کی بنیاد مذہب پر ہوتی ہے۔ اس لیے مذہبی روایات، مذہب سے متعلقہ اصطلاحات وغیرہ سے آگاہی بھی بہت ضروری ہے۔ عام طور پر اس قسم کا ترجمہ کرتے وقت ہمیں ان روایات کا علم نہیں ہوتا۔

اس لاعلمی کی بدولت ہم بہت سی ایسی غلطیاں کر جاتے ہیں جو ترجمے کی روح کو بری طرح متاثر کرتی ہیں۔ تراجم کے لیے ہمیں ان تمام تر علوم اور فنون تک رسائی حاصل ک لینی چاہیے جن سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے۔

اب یہ عوامل اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا مکمل احاطہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ حسن عسکری اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ

> "ہر زبان کی ایک روح ہے، ایک شخصیت کی تشکیل کرنے والی قوتیں اتنی زیادہ ہیں کہ آسانی سے ان کے نام بھی نہیں گنے جا سکتے۔ جغرافیائی حالات، نسلی مزاج، اس زبان کے بولنے والوں کی تاریخ، ان کا مذہب ان کے معتقدات پھر عناصفر کا ایک دسرے پر عمل در عمل یہ موٹی موٹی باتیں ہوئیں۔ ان کے علاوہ جو چیزیں کسی زبان کا مخصوص ذائقہ متعین کرتی ہیں انہیں کیا نام دیا جائے"[۴]

اگر ایک مترجم ترجمے کا حق ادا کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تمام امو پر مہارت حاصل کرے۔ یہ چیزیں ایک مکمل ترجمے کے اجزائے ترکیبی ہیں۔

اگر ہم مقامی ادب کو سمجھنے کی کوشش کریں تو اس کے لیے یہ اس قسم کی چیزیں تو ہمیں درکار ہوتی ہیں۔ کجا کے غیر ملکی یا دوسری زبان کے ادب کو سمجھنے کی کوشش۔ مترجم کے کندھوں پر تو چونکہ اس کے قارئین کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے اس لیے اس کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

جب ہم تخلیقی نوعیت کی تحریروں کے ترجمے کی بات کرتے ہیں تو یہ اس کی کچھ عملی صورتیں ہمیں دیکھ لینی چاہئیں تا کہ یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ ہمیں کیسا ترجمہ کرنا چاہیے اور کیسا ترجمہ نہیں کرنا چاہیے۔ڈاکٹر سجاد باقری رضوی کہتے ہیں۔

> "تخلیقی ترجمے کی مثالیں دیکھنی ہوں تو محمد حسن عسکری، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین کے تراجم دیکھیے۔ عسکری صاحب نے فلابیر، استندال اور میل ول کو، قرہ العین حیدر نے ہینری جیمس کو اور انتظار حسین نے ترگینف کو اردو میں اس طرح سمویا ہے کہ اردو ادب کی افسانوی فضا ان رنگوں سے نکھر گئی۔ مختلف تہذیبوں کا رواحانی تحرک، کرب و انبساط کی ساعتیں فقروں کے مختلف آہنگ اور اسالیب کا تنوع یہ سب اردو کے پیکر میں ڈھل کر اردو افسانوی ادب کی حدود میں مزید وسعتوں کا سبب بنتے ہیں"[۴]

یہ تو ترجمے کی خوبی ہے کہ وہ تہذیبوں کو ٹکراؤ سے بچا کر ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے ذریعے قارئین کے دل و دماغ میں دیگر تہذیبوں کے حوالے سے نرم گوشہ پید ہوتا ہے اور اسے بھی بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہو اس زبان کے دامن میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وسعت کے سبب ہی ادب کے نئے نئے ابواب کھلتے ہیں اور ادبی اور فکری راستے پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ وسعت پڑھنے والوں کے دل و دماغ کو بھی وسیع کرتی ہے۔

اردو زبان میں کئی دوسری زبانوں کے ادب پاروں کے تراجم کیے گئے ہیں۔ ان تراجم کا اپنا ہی حسن ہے لیکن اصل لطف اور حسن تو اصل زبان کی تحریر کا ہوتا ہے۔ ہر ادب کی اپنی اپنی علامات ہیں اپنے اپنے جملے اور اپنی اپنی خوب صورتی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ وہی خوب صورتی اور وہی حسن ہماری زبان میں در آئے تو اس کا ایک ہی حل ہے کہ ہم ان زبانوں کے تصورات کو اردو میں لے کر آئیں۔ اس کے لیے کوشش کریں۔ ہمارے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ ہماری تحریروں میں ان مناظر کی تصویر کشی کے لیے الفاظ ہی نہیں ہوتے۔ اگر ہوتے بھی ہیں تو اس قدر عامیانہ نوعیت ہوتے ہیں کہ وہ منظر کشی کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

اس ضمن میں حسن عسکری کی بات بہت بر محل لگی ہے۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون "اگر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے" میں لکھا ہے کہ

"یوں کرنے کو تو میں نے مادام بواری کا ترجمہ کر دیا ہے لیکن اس ناول میں ایک ٹکڑا ہے جس میں ہیروئن کی چھتری پر برف گرنے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ اگر اردو ک سارے ادیب مل کر یا آٹھ دس سطروں کو اس طرح ترجمہ کر دیں کہ اصل کا حسن ویسا کا ویسا ہی رہے تو اس دن سے میں اردو کے علاوہ کسی اور زبان کی کتاب کو ہاتھ تک نہیں لگاؤں گا"[۶]

حسن عسکری کے خیال میں ترجمہ کرنا کوئی بڑا کام نہیں ہے لیکن تخلیقی ادب کے لیے اصل تحریر کا حسن ترجمے میں منتقل کرنا ایک الگ معاملہ ہے۔ اس معاملے میں ہمارے پاس ایک ہی آپشن ہے کہ مطلوبہ زبان میں اس قدر گھل مل جائیں کہ اصل تحریر کے احساسات اور جذبات کا بھی ترجمہ کر سکیں۔ حسن عسکری نے منظر کی طرف اشارہ کیا ہے اس منظر کو ہر معاشرت کے حوالے سے الگ الگ اسلوب سے پرکھا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے مشرقی معاشرت میں اس کی ترجمانی کے لیے کچھ اور نوعیت کے جملے درکار ہوں۔ لیکن مغرب میں برف باری کے دوران چھتری کے نیچے چلنے کا احساس ایک منفرد اور مختلف نوعیت کا ہو گا۔

ان حساسات کی ترجمانی کے لیے مغرب کی معاشرت سے آگاہی کا حصول بہت ضروری ہے۔ اگر یہ احساس نہیں ہو گا تو ممکن نہیں کہ اصل عبارت کا حسن قاری تک پہنچ سکے۔

تخلیقی ادب کے مسائل میں سے یہ مسئلہ بہت اہم ہے کہ یہاں رشتوں اور ناطوں کا ترجمہ کیسے کیا جائے۔ اس حوالے سے بھی حسن عسکری کہتے ہیں

"ہر رشتے کے کچھ کے جو کچھ ثانوی مرکبات ہوتے ہیں ان کے ترکیبی اجزا ایک جیسے نہیں ہوتے۔ یہیں سے وہ چیز پیدا ہوتی ہے جسے ہم کسی زبان کی روح یا شخصیت کہتے ہیں اور اسی لیے ہر زبان کے اسالیب بیان اور ذخیرہ الفاظ کا ایک حصہ کچھ اس قسم کا ہوتا ہے جسے دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا جا سکتا یا کم سے کم ترجمہ کرتے ہوئے دشواری پیش آتی ہے"[۷]

ترجمے کی مشکلات کے حوالے سے واحد مشکل نظریات اور افکار کی دوسری زبان میں منتقلی ہے۔ تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ترجمے کے حوالے سے فکری امور کی منتقلی کا معاملہ ہی مشکل ہے۔ یہی ترجمے کا کمال ہے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر حسن الدین احمد کہتے ہیں

"ترجمے کا کمال یہ ہے کہ وہ نہ صرف درست لفظی ترجمہ ہو بلکہ مصنف کے نظریات، معتقدات، تصورات اور احساسات کی صحیح ترجمانی بھی ہو۔ اصل متن کی روح اس طریق سے برقرار رہ سکتی ہے۔ یہی ترجمانی ہے اور یہیں محض لفظی ترجمہ اور ترجمانی کا فرق واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ ترجمانی ترجمے سے نازک تر اور دشتوار تر کام ہے"[۸]

اگر عربی تعریف کی جائے تو اس کے مطابق تو لفظی معانی لکھنے کا نام ہی ترجمہ ہے۔ لیکن حقیقی معنوں میں ترجمہ مصنف کی ترجمانی ہے۔ کیوں کہ مترجم کا قاری تو حقیقی عبارت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اگر وہ حقیقی عبارت کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو ترجمے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ اس لیے مترجم کی حیثیت یہاں ترجمان کی سی ہوتی ہے۔ مترجم کا کام لفظی ترجمہ کرنے تک محدود نہیں ہوتا بلکہ وہ مصنف کا ترجمان بھی ہوتا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ مترجم کا ترجمانی کرنے والا کام زیادہ مشکل اور نازک ہے۔

یہ نازک اس لیے ہے کہ قاری تک بات دو واسطوں سے ہو کر پہنچ رہی ہوتی ہے اس لیے اسلوب نگارش اس قدر واضح ہونا چاہیے کہ قاری کو سمجھنے میں دقت محسوس نہ ہو۔ اگر قاری الجھ گیا تو یہ ترجمے کی ناکامی کی دلیل ہو گی۔

کامیاب ترجمہ وہی ہے جو قاری اور مصنف کے درمیان میں پُل کا کردار ادا کرے اور اس پل سے گزرتے ہوئے کسی کو کسی قسم کی الجھن اور پھسلنے کا خوف طاری نہ ہو۔

ماحصل:

ترجمہ نگاری کی مختلف اقسام ہیں۔ کچھ تراجم تخلیقی ادب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے تراجم میں افسانے، ناول، شاعری وغیرہ شامل ہے۔ جبکہ کچھ تراجم فنی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ان میں کسی بھی فن کے بارے میں بنیادی معلومات دی گئی ہوتی ہیں۔

تخلیقی ادب جیسے شاعری اور افسانہ یا ناول کے ترجمے کا کام بہت مشکل ہے۔ اس میں مترجم نے نہ صرف لفظوں کا ترجمہ کرنا ہوتا ہے بلکہ اس کے لیے ترجمانی بھی کرنا پڑتی ہے۔ ترجمانی کا مطلب یہ ہے کہ جو موقف اور جو پیغام مصنف نے دینے کی کوشش کی ہے لازم ہے کہ وہی پیغام ترجمے کے قاری تک بھی پہنچے۔ ترجمے میں اسلوبِ نگارش کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

اردو کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس زبان میں دیگر زبانوں کے تراجم کرنے سے زبان کے دامن میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ وسعت خود اردو کے ادبا کے لیے بھی بہت مفید ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ترجمہ جب کسی زبان میں آتا ہے تو وہ اپنے ساتھ تہذیب اور ثقافت کے انمول موتی بھی لے کر آتا ہے۔ ثقافت کے یہ جواہر دوسرے معاشرے کو بھی متاثر کرتے ہیں یوں معاشرتی ہم آہنگی پروان چڑھتی ہے۔

تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ترجمہ صرف لفظوں کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ڈھالنے کا نام نہیں ہے بلکہ ترجمے میں جذبات، احساسات اور نظریات کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترجمے کے قاری نے نہ تو اصل عبارت کو دیکھا ہے نہ اس کو مصنف کے نظریات کا علم ہوتا ہے۔ اس کے لیے مترجم نے جو کچھ دیا وہی اہم ہے۔ اس لیے مترجم کو چاہیے کہ ترجمہ کرتے وقت قاری کی ضرورت کو پیش نظر رکھے

افسانوی تراجم میں بنیادی مشکل یہی ہے کہ اس میں جذبات کی ترجمانی مشکل ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی مترجم جذبات کو بھی متعلقہ زبان میں منتقل کر دے تو یہ اس کی مہارت کا سب سے بڑا ثبوت ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ حامد بیگ، مرزا، ڈاکٹر، مغرب میں نثری تراجم، صفحہ ۱۵

۲۔ رفیق خاور، اردو تھیسارس اسلام آباد۔ مقتدرہ قومی زبان، طبع سوم ۲۰۰۲ء صفحہ ۱۷

۳۔ محمد خاں، کرنل، بدیسی مزاح، مزاح کے عالمی ادب پاروں کا دیسی روپ، پیش لفظ، لاہور۔ جنگ پبلشرز، ۲۰۰۰ء صفحہ ۹

۴۔ محمد حسن عسکری، زبانوں کی شخصیت اور مزاج، مشمولہ مقالات حسن عسکری جلد دوم، لاہور، علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۱، ص ۲۰۷

۵۔ سجاد باقر رضوی، افسانوی ادب کے تراجم، مسائل اور مشکلات، مشمولہ اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، ص ۲۰۲

۶۔ حسن، عسکری، ستارہ یا بادبان، ۱۹۶۲، ص ۱۵۰

۷۔ ایضاً ۲۰۹

۸۔ مظفر علی سید، فن ترجمہ کے اصولی مباحث، مشمولہ اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مرتبہ اعجاز راہی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵، ص ۴۱